⊙ ڈاکٹر طاہر عباس طیب

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

⊙⊙ ڈاکٹر شگفتہ فردوس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

اعظم کریوی کے افسانوں میں مشرقی ثقافت کا اظہار

Abstract:

Dr. Azam Kuraivi is one of the famous fiction writers of the early period when Urdu short story began. He did not only confirm the tradition of Pram Chand but also provided strong and stable identities. He also gave a new and unique creative spirit to Urdu fiction. We can find clear pictures of social life, culture, and politics, religious and ethical values in his stories. He also focuses on the social life around us as truth as social consultation. Specifically, they represent eastern traditions. His fiction also has a good historical and cultural aesthetic sense. These concepts of the early twentieth century are very important and remarkable. Kuraivi's short stories use simple language, natural style and sweetness of phrases. All these features make his stories very popular. We can find a beautiful blend of Persian and Hindi diction in his short stories, which is missing in other Urdu short story writers. So, we can say that he is a unique writer so far as beauty of language is concerned.

Keywords:

Eastern Culture, Social issues, Artistic integrity, Urdu Fiction

اردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں اعظم کریوی کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ وہ بطور افسانہ نگار اپنے دور میں خاصے مقبول اور مشہور رہے۔ وہ کئی زبانوں کے ماہر بھی تھے جن میں اردو، انگریزی، فارسی اور سنسکرت وغیرہ شامل

ہے۔اردو ادب میں بطور افسانہ نگار ان کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں میں سماجی موضوعات کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ثقافت اور اساطیری پہلوؤں کو پیش کیا۔ان کے افسانے اردو کے اہم ادبی رسائل جن میں طوفان ، نگار ،محشر خیال ،زمانہ،ساقی ،عالمگیر اور عصمت میں تواتر کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ان کے افسانوی مجموعوں میں انقلاب،پریم کی چوڑیاں اور دوسرے افسانے ، شیخ و برھمن ،کنول کے نام قابل ذکر ہیں۔یہ افسانوی مجموعے ابتداء میں خاصے مشہور رہے اور ان افسانوں کی تعداد لگ بھگ ایک سو بیاسی (۱۸۲) ہے۔اعظم کریوی پریم چند کے مقلدین میں سے تھے اور وہ کافی حد تک منشی پریم چند سے متاثر تھے لیکن ان کی اپنی ایک الگ پہچان اور شناخت ہے۔جس کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ان کا بنیادی موضوع دیہات کی طرز معاشرت ہے جن میں فطری حسن اور رومانوی انداز پایا جاتا ہے۔جس میں وہاں کی بود و باش، دکھ سکھ اور وہاں کے مسائل کو واضح طور پر دیکھا سکتے ہیں،ان کے افسانے زیادہ تر دیہات کے ہندو گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔یوں لگتا ہے کہ وہ ان دیہاتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔اس حوالے سے اعظم کریوی اپنے نظریہ فن کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''میں نے آج تک جتنے اور یجنل افسانے لکھے ہیں، وہ تقریباً کسی نہ کسی تجربہ یا مشاہدہ کے نتائج ہیں۔کردار نگاری میرے لیے خاص چیز ہے.....واقعات کے نفسیاتی پہلو کو میں نے کبھی نظر انداز نہیں کیا۔افسانہ میں اس بات کا خاص خیال رکھتا ہوں کہ جو واقعہ لکھ رہا ہوں وہ فطرت انسانی کے مطابق ہے بھی یا نہیں۔''(۱)

اعظم کریوی جس عہد سے تعلق رکھتے تھے وہ اردو افسانہ نگاری کا دوسرا اہم دور سمجھا جاتا ہے۔اس دور میں بے شمار سماجی اور سیاسی مسائل جن میں طبقاتی کشمکش، جاگیردارنہ نظام اور ذہنی طور پر غلامی میں جکڑا ہوا انسان،غرض فرد کو انفرادی طور پر بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔اس عہد میں غالب رجحان حقیقت نگاری چھایا ہوا تھا۔اعظم کریوی کی افسانہ نگاری اول تا آخر ہندوستان کی مشترکہ قدروں کی پاسبانی کرتی دکھائی دیتی ہیں وہ مغربی تہذیب وتمدن کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے افسانے عام فہم اور سادہ ہیں لیکن ان کا مشاہدہ بہت گہرا اور وسیع ہے۔ڈاکٹر سینہ اویس اعوان لکھتی ہیں:

> ''ان کے افسانوں میں معاشرتی مسائل مثلاً کسانوں کی حالت زار، استحصال، توہم پرستی، گھریلو مسائل، شادی شدہ افراد کی ذہنی و جذباتی حالت زار، تعلیم نسواں کی افادیت اور عورت کی قربانی کو دل کش اسلوب میں بیان کیا ہے۔''(۲)

افسانہ 'انقلاب' میں اس دور کی انفرادی اور اجتماعی مسائل جس میں سماجی کشمکش اور غربت کو موضوع بنایا گیا کہ کس طرح ترقی کے نام پر اوچھے ہتھ کنڈے اپنائے جاتے ہیں۔جو امیر تھے وہ غریب بن گئے جو زمیندار تھے اب غلام بن گئے۔چار پانچ سال کے عرصے میں ایسا انقلاب آیا کہ گاؤں شہر میں تبدیل ہو گیا لیکن لوگ اب بھی اپنے زمانے کو یاد کرتے ہوئے آنسو بہاتے نظر آتے ہیں۔افسانہ 'شرابی' میں گاؤں کا سادہ لوح انسان بھروس لالچ میں آ کر شہر کا رخ کرتا ہے اس کا خیال تھا کہ شہر میں نوکری ملنا آسان ہے مگر ایسا نہ تھا بڑی کوشش کے بعد دس روپے ماہوار میں ایک مل میں ملازمت ملی لیکن اس رقم میں پورے کنبے کا گزارا مشکل سے ہوتا اور واپس گاؤں اس لیے نہیں جانا چاہتا کہ لوگ کیا کہیں

گے۔وہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکا اور شراب کی لت میں ایسا الجھا کہ لوگ ایسے شرابی کہنے لگے۔اس افسانے میں ہمارے معاشرتی المیہ کو اعظم کریوی نے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا۔افسانہ 'دن کی روشنی میں' کشوری کو اس کا شوہر بلدیو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیتا ہے۔راستے میں ایک شرابی رام لال اسیماں بنا کر اپنے گھر لے جاتا ہے۔صبح جب وہ بیدار ہوئی تو عجیب کشمکش کا شکار تھی۔اس کے لیے رات کی تاریکی تو امان ثابت ہوئی لیکن دن کی روشنی میں اسے اپنی بے عزتی کے عذاب کا خوف دکھائی دے رہا تھا۔جیسے ساری دنیا اس سے انتقام لینے کے لیے تیار ہو۔اس کہانی میں جہاں عورت کی نفسیاتی کیفیت کا عکس ملتا ہے وہاں اسکی بے بسی اور لاچاری کیا حساس کو بھی نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے:

> ''اعظم کریوی پریم چند کے مقلد سمجھے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ رومانوی اور حقیقت نگاری کی آمیزش سے اپنے افسانوں کی بنت کاری کرتے ہیں۔ان کے ہاں دیہات کی پیش کش کے ساتھ عورت کی سماجی حیثیت ایک اہم موضوع کے طور پر سامنے آتے ہیں۔''(۳)

افسانہ 'پریم کی چوڑیاں' میں راما شنکر اور پریما کی محبت کی کہانی ہے۔اعظم کریوی نے نہ صرف بچپن کی سچی محبت کا ذکر کیا بلکہ اس سے فرد کی سادگی ورنفسیاتی حالت کا پتا چلتا ہے۔راما ایک امیر گھرانے کا چشم و چراغ ہے جب کہ پریما ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔راما شہر جاتا ہے تو پریما کے لیے چوڑیاں لے کر آتا ہے اور انہی کو پریم کی چوڑیاں کا نام دیا گیا۔راما اسے بھول جاتا ہے لیکن پریما حالات کا صبر سے مقابلہ کرتی ہے۔وہ مصیبتوں میں الجھ کر بھی اپنا حق نہیں مانگتی ہے۔پریما پریم کی چوڑیاں کو توڑ دیتی ہے جس کو ایک مدت تک اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی رہی۔کانچ کی چوڑیاں آج ٹکڑے ٹکڑے ہو کر راما کے دل پر تیر و نشتر کا کام کرتی ہیں۔بچپن کی محبت نے زور مارا اور کچھ دونوں کے بعد دنوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہو جاتی ہے۔اس افسانے سے ایک اقتباس:

> ''پریما! پریما! ٹھہرو۔مجھ سے غلطی ہوئی، مجھ سے بھول ہوئی تم مجھے معاف کر دو۔تم میری غلطی کی سزا تمھارا جو جی چاہے دے سکتی لیکن تم جو کچھ کرنے جا رہی ہو یہ میرے لیے نہ قابل برداشت ہوگی۔پریما زور اور طاقت سے کانچ کی چوڑیاں توڑی جا سکتی ہیں لیکن پریم کا بندھن، پریم کی چوڑیاں کا تعلق کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔اسکے توڑنے کی طاقت نہ تم ہے اور نہ مجھ میں ہے۔''(۴)

یہ ایک مثالی کردار ہے اور ہمیں اس کردار سے ہمدردی بھی ہوتی ہے۔اس افسانے کو پڑھنے پر قاری اسے منفی پہلوؤں سے نہیں پرکھتا۔بلکہ ایک فکر اور ہمدردی کا جذبہ اپنے اندر پاتا ہے۔یہ ہمہ جہت کردار تانیثیت کا زاویہ بھی پیش کرتا ہے۔اس سے دیہات میں رائج رسم رواج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ فضا راما اور پریما کی رومانوی کہانی میں جان ڈال دیتا ہے۔

اعظم کریوی نے اپنے افسانوں میں ہندوستان کے رسم ورواج، دکھ سکھ اور لوگوں کے آپس کے تعلقات کو موثر انداز میں پیش کیا۔انہوں نے دیہات کے مختلف طبقات کی نمائندگی کی۔جن میں زمیندارانہ نظام، لگان کی وصولی، خوداری، غربت وافلاس اور فرد کی ذہنی کشمکش، ذات پات اور رسم ورواج میں الجھے ہوئے کردار سامنے آتے ہیں۔یہ کردار ہمارے سماج کا حصہ نظر آتے ہیں۔جن میں سچائی، خلوص اور محبت نظر آتی ہے۔یہ افسانے ہماری سماجی اور ثقافتی زندگی کی

ترجمان ہیں۔ڈاکٹر سینہ اویس کے نزدیک:

> ''ان افسانوں میں مشرقی تہذیب وثقافت کے آثار نظر آتے ہیں۔اعظم کریوی کے افسانوں میں عورت کا تصور تعمیری اور بامقصد ہے۔وہ عورت کو معاشرے میں ایک باوقار مقام دلوانے کے خواہش مند ہیں۔انہوں نے دیہی باشندوں کی ضعیف الاعتقادی اور تعلیم یافتہ افراد کی حالت زار اور سوچ کی عمدہ ترجمانی کی ہے..... زمین داروں کا ظلم و جبر، اچھوت، پنڈت، یتیم خانہ، محبت ایثار، تعلیم یافتہ عورت کے علاوہ زندگی کے مصائب ومشکلات کو بھی حقیقی اور رومانی انداز میں پیش کیا ہے۔ان افسانوں میں دیہات کے مناظر فطرت رہن سہن، عادات واطوار کو دل کش اسلوب میں بیان کیا ہے۔اعظم کریوی عورت کے جذبات واحساسات کی قدر کرتے ہوئے اسے محبت کو محور مرکز قرار دیتے ہیں۔''(۵)

افسانہ 'نرملا' میں انسانی مجبوری اور بے کسی کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے جس میں نرملا کی شادی بدری جیسے شرابی سے کر دی جاتی ہے تا کہ جہیز نہ دینا پڑے۔اس لیے انہوں نے بدری کو نرملا کے لیے انتخاب کر لیا۔نرملا کو شادی کے بعد ملکہ بنے کا خواب ادھورا رہ گیا۔حسن وشباب کا چاند بڑی آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن شادی کے بعد شوہر نے اس کی قدر نہیں کی اور شراب کے نشے میں دھت رہنے لگا یہاں تک کہ بھوک پیاس سے وہ خود اور اس کا بچہ تڑپتے رہے۔ فاقوں سے تنگ آ کر نرملا اپنی عصمت کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔اس کہانی میں ایک بے بس ماں دکھائی دیتی ہے جو اولاد کے لیے خود کو قربان کر دیتی ہے۔اعظم کریوی نے اس افسانے میں حالات کی سنگینی اور سماجی حقیقتوں سے پردا اٹھایا ہے جس سے پڑھنے والے کو ماں کی ممتا کا دکھ، درد اور تکلیف کا احساس بھی ہوتا ہے اور جہیز کی لعنت جیسے رسم رواج نے نرملا کی زندگی کو تباہ کر دیا۔''اعظم کریوی نے انسان کو اعلیٰ قدروں کا مجسمہ بنا کر پیش کیا اور زمیں کی باس کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔''(۶)

افسانہ 'ہولی' میں انسانی فطرت کی سچائی اور سادگی کی جگہ عیاری اور مکاری میں بدل جاتی ہے۔اعظم کریوی کے افسانوں میں کردار قسمت پر صابر وشاکر نظر آتے ہیں۔افسانہ 'خان بہادر' میں سید فصاحت حسین جو بیس سال کے بعد آنریری ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر پہنچا تھا۔پڑھا لکھا تو بہت کم تھا مگر ماتحتوں پر اپنی علمیت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتا۔سرکاری گزٹ میں غلطی سے خان بہادر کا خطاب ملنے پر بہت خوش ہو کر ایک دعوت کا اہتمام کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے اسی دن ہی تصحیح کا حکم نامہ مل جاتا ہے۔''اعظم کریوی ان کامیاب افسانہ نگاروں میں سے ہیں جنہوں نے مقامی رنگ کو اپنے افسانوں کی خاص دلکشی بنا رکھا ہے۔''(۷)

زبان وبیان اور اسلوب بھی افسانہ نگاری کے لیے ضروری ہے۔وہ بالکل فطری ہو، اس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہو، اس لحاظ سے اعظم کریوی اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔وہ اردو، فارسی اور ہندی کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ہندی اور فارسی لفظوں کا انتخاب اور ان کا استعمال اس قدر موزوں ہوتا ہے کہ کسی طرح انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔''وہ اپنے پختہ اسلوب کی وجہ سے جلد ہی قابل توجہ افسانہ نگار بن گئے۔''(۸)

اعظم کریوی کئی افسانے ایسے بھی ہیں جو کسی نہ کسی زبان سیماخوذ یا ترجمہ شدہ ہیں۔مثال کے طور پر مجموعہ ہندوستانی افسانے میں 'ملاح کی لڑکی'، 'پریما'، 'مصور'، 'بڑا آدمی' یہ چاروں افسانے ماخوذ ہیں جب کہ 'دھوپ چھاؤں'، 'بابو'، 'سنگ دل'، 'کایاپلٹ'، 'ناگن'، 'چمپا کی گڑیا' وغیرہ ایسے افسانے ہیں جو مختلف زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں۔ اس سے ان کے مختلف زبانوں پر عبور و دسترس کا پتا چلتا ہے۔ بقول ڈاکٹر انوار احمد: ''انہوں نے گھریلو مسائل پر بھی قلم اٹھایا ہے، وہ ایک تعلیم یافتہ انسان تھے مگر شادی شدہ عورت کے بارے میں ان کا تصور بڑا مثالی تھا۔''(۹)

اعظم کریوی اپنے افسانے میں پلاٹ کا تانا بانا دیہات کی زندگی سے جوڑتے ہیں۔جو حقیقت نگاری پر مبنی ہے۔جس میں فطری حسن نظر آتا ہے۔وہ اپنے افسانوں میں کرداروں کی نفسیات کو بھی پیش کرتے ہیں۔وہ کرداروں کے ذریعے سے جذبے اور احساس کی شدت کو پیش کرتے ہیں۔جس سے انسانی زندگی کی تصور کشی ممکن ہوئی۔ڈاکٹر اعجاز راہی کے مطابق:

> ''ان کے کرداروں کی طرز تعمیر میں ان کی مضبوط گرفت کا پتہ چلتا ہے ان کے کرداروں کے حوالے سے ماحول، طبقے اور نفسیات کو سمجھنے میں مدد کر دیتا ہے۔ان کے فن کے خارجی عناصر صرف کرداروں کی رونمائی تک محدود نہیں رہتے پھیلتے ہوئے معاشرے کے تاریخی سیاق وسباق پر محیط ہو جاتے ہیں۔کرداروں کی جذباتی انگیخت، احساساتی ایمائیت اور جمالیاتی تصوریت جب دیہاتی زندگی کے عقب سے ابھرتی ہے تو کریوی کے فن کو گراں مایہ بنا دیتی ہے کہ اس میں سستی جذباتیات کی بجائے دیہی زندگی کے وہ اصل دکھ جس کے بوجھ تلے آ کر زندگی قلم کی بھیک مانگتی ہے۔وہ کریوی کے نوک قلم پر لرزاں ہو کر پڑھنے والے کی ذات تک اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔اسلوب شدت احساس کا ترجمان بن جاتا ہے۔''(۱۰)

اعظم کریوی کے افسانوں میں زبان کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ان کے ہاں اردو، فارسی اور ہندی کے الفاظ خوبصورت آمیزش ہے۔جس میں دیہاتی لینڈ اسکیپ کا عکس نظر آتا ہے۔دیہات کی سادگی میں انسانی زندگی کے سماجی اور معاشی مسائل کو پیش کیا۔ان کے افسانوں میں جو الفاظ کرداروں کی پیش کش میں برتے ہیں وہ خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ان کے ہاں رومانویت کو شعوری طور پر اپنانے کی کوشش بھی ملتی ہے جس میں دیہات کے رسم رواج، رہن سہن، مناظر فطرت، طور طریقے، لباس اور بدلتے موسموں کی کیفیات کا عکس بھی ملتا ہے۔ان کو اس فن میں ملکہ حاصل تھا۔بقول ڈاکٹر مرزا حامد بیگ:

> ''کریوی کی کردار نگاری کا نمایاں وصف کردار کی سچی پیشکش ہے اور اسی کے باعث افسانہ نگار جذبے کی شدت سے بچ گیا۔نتیجہ انسانی جذبات کی کھری تصویر کشی ممکن ہوئی۔''(۱۱)

اعظم کریوی نے حقیقت اور رومانویت دونوں رجحانات کی آمیزش سے انسانی زندگی کے کرداروں کی تصویر کشی کی۔ڈاکٹر فردوس انور قاضی لکھتی ہیں:

> ''ان کے افسانے یلدرم کی طرح رومانیت کے حامل ہیں جس میں عورت مرد کی زندگی، ان کی

محبت، ان کے جذباتی یا جسمانی رشتے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے تقریباً تمام افسانے کسی نہ کسی پیرائے میں محبت کی داستانیں دھراتے ہیں.....لیکن ان کے افسانوں کی فضا یلدرم یا نیاز فتح پوری کی طرح غیر زمینی یا ماورائی نہیں ہے..... یہ فضا پریم چند کے افسانوں کی فضا سے ملتی جلتی ہے۔''(۱۲)

'کھویا ہوا پیار' میں سنتو اور مایا کے ذریعے میاں بیوی کے سچے رشتے کو بیان کیا گیا ہے جو ایک دوسرے سے پانچ سال تک جدا رہے لیکن ایک دوسرے کی محبت کو دل سے مٹنے نہ دیا۔اس افسانے میں تجسس کے ساتھ ساتھ حقیقت کا رنگ بھر دیا ہے۔جن میں خوبصورت واقعات کی منظر کشی بھی شامل حال ہے۔اس افسانے میں عشق ایک ایسی کسوٹی ہے جہاں آ کر انسان کی فطرت اور اس کے بلند اور پست پہلوؤں کا اندازہ ہوتا ہے۔ڈاکٹر انور سدید کے مطابق:

''اعظم کریوی کا دیہات مجبوری اور لاچاری کا مجسمہ ہے۔ان کے ہاں محبت بھی ہے۔وہ ملائمیت بھی اور دیہات کی معصومیت کو مثالی انداز میں پیش کرتے ہیں اور اس کی غربت اور بے چارگی پر بے پناہ آنسو بہاتے ہیں.....اعظم کریوی کا تخیل انھیں رفعتوں کی طرف پرواز کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن زندگی کی جراحتیں ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیتی ہیں اور بے اختیار زندگی کے ارضی پہلوؤں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔''(۱۳)

اعظم کریوی نے دیہاتوں اور شہروں کے اندر باہر سے پوری طرح واقف ہیں انہوں نے یہاں رہتے ہوئے زندگی کے شب و روز گزارے۔وہ زندگی کی مشکلات مصیبتوں سے خوب واقف تھے۔وہ شاعر کی طرح جذبہ کی شدت کو ابھرتے ہیں نہ مصلح کی طرح لوگوں کے مصائب کا حل بتاتے ہیں۔وہ صرف افسانہ نگار کے روپ میں ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔بقول ڈاکٹر اعجاز راہی اعظم کریوی کے دیہاتی مناظر علی عباس حسینی سے جداگانہ منطقہ قائم کرتے ہیں۔(۱۴)

افسانہ 'سیندور والا' میں جذباتیت کا پہلو ملتا ہے۔سیندور والا ہر سال برکھارت میں گاؤں آیا کرتا تھا۔آنکھ اس کی چھوٹی تھی اور سب اس کو کانا سمجھتے تھے۔لیکن جب وہ صدا لگاتا تو سب حیران رہ جاتے تھے۔بھگت رام سرستی کو اپنی بیٹی مانتا تھا اور اس کے لیے کھلونے لے کر آیا کرتا تھا جب وہ بڑی ہوگئی تو اس کا گھر سے نکلنا بند ہوگیا۔آخری بار جب رام سرستی سے ملا تو اس نے سفید کپڑے پہنے تھے اور مانگ میں سندور کا نشان بھی نہ تھا جس سے رام کا کلیجہ کانپ اٹھا اور اس کے ہاتھ سے سیندور کی صندوقچی زمیں پر گر پڑی۔اس کے بعد ہری پور والوں نے دیکھا کہ بھگت رام سر پر پھلوں کا ٹوکرا لے کر پھل بیچنے لگا۔اس افسانے میں احساس اور جذبے کی شدت کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔اعظم کریوی چھوٹے چھوٹے واقعات سے کہانی کو حقیقت کا روپ دیتے ہیں۔انہوں نے معاشرتی ثقافت کو سادہ زبان میں پیش کیا۔ان کے افسانے دلچسپ ہیں اور قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔وہ اپنے افسانوں میں موجودہ سماج و معاشرے کی ابتری اور کسمپری کو بڑی دردمندی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔بقول وقار عظیم:

''پریم چند نے ساری زندگی دیہات کی زندگی پر افسانے لکھے پھر بھی دیہات کی رنگین زندگی کی ساری باتیں نہ کہہ سکے اس کی کمی علی عباس حسینی اور اعظم کریوی نے پورا کرنے کی کوشش کی.....اعظم

کریوی کے افسانوں میں دکھ بھری زندگی کے رومانوں کی کہانی ہے جو اس کے ذرے ذرے میں بکھرے پڑے ہیں۔''(۱۵)

افسانہ 'بیگار' میں جاگیرداروں اور کسانوں کی صورت میں طبقاتی کشمکش نظر آتی ہے جس میں زبردستی کسانوں سے مشقت کراوئی جاتی ہے اور انہی سے لگان وصول کی جاتی ہے۔ اعظم کریوی کے ہاں جذبہ ہمدردی بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان کا تخیل دعوت فکر دیتا ہے۔ وہ مثالی زندگی کی خواہش مند دکھائی دیتے ہیں۔ اس وجہ سے بے اختیار زندگی کے ارضی پہلوؤں اور سماجی زاویوں میں الجھے ہوئے پہلوؤں کا عکس دکھاتے ہیں۔ افسانہ 'پریم کی لیلا' میں حقیقت پسندی کو اور دیہات کے زاویہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے سے یہ اقتباس:

''پتاجی! میں کوئی پاپ نہیں کر رہی ہوں، پچھلے زمانے میں سوئمبر کی رسم جاری تھی جس کا منشا یہی تھا کہ لڑکی اپنی مرضی کے مطابق بَر تلاش کرے، اگر کلجگ میں یہ رسم نہیں رہی ہے تو ہماری غلطی ہے؟ اگر کوئی لڑکی اپنا پتی بنانے کے لیے کسی کو خود منتخب کرتی ہے تو یہ کوئی پاپ نہیں ہے۔ مرلی غریب ہے، نادار ہے، مجھے اس کی پروا نہیں۔ روپیہ پیسہ ہاتھوں کا میل ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''(۱۶)

اعظم کریوی انسان کو اعلیٰ قدروں کا امین سمجھتے ہیں۔ اگرچہ دیہات میں غربت اور افلاس بھی ہے جہاں لوگ کئی طرح کے معاشرتی مسائل کا شکار نظر آتے ہیں لیکن ان کے ہاں خلوص اور ایثار کا جذبہ بھی نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ دیہات میں لوگ کس طرح اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ انہوں نے دیہات کی طرز معاشرت کو بھرپور طریقے سے پیش کیا جہاں سماجی اور ثقافتی رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ کردار جو زبان سے مکالمہ ادا کرتے ہیں وہ یقینی طور پر فطری معلوم ہوتا ہے اور جب ایک دیہاتی کردار محو گفتگو ہوتا ہے تو اس کا لہجہ یکسر بدل جاتا ہے اور وہ مختلف لفظوں کو انہی کی زبان سے ادا کرتے ہیں۔ جیسے 'معافی' کی جگہ 'مافی'، 'حضور' کی جگہ 'جور'، 'خراب' کی جگہ 'کھراب' وغیرہ الفاظ کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ غرض کہ اعظم کریوی ہندوستانی دیہات کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ساغر نظامی کے بقول:

''وہ راجہ، رانی، بادشاہوں اور شہزادوں کا ثنا خواں نہیں ہے۔ وہ ہندوستانی دیہات اور گاؤں کی زندگی کا نمائندہ ہے اس کی تصویریں ہندی اور ان تصویروں کا رنگ خالص آفاقی ہے۔ وہ ہندوستانی گاؤں کی پاک اور بھینی زندگی اور غریبوں کے بے لوث معاشرت اور اس سادہ معاشرت میں جان ڈالنے والی سچی محبت کا مصور ہے۔''(۱۷)

اعظم کریوی پر ترقی پسند تحریک کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔ ساری زندگی افسانے لکھنے کے باوجود ان کو وہ شہرت نہ ملی جس کے وہ حق دار تھے اور یہاں تک کہ دیہات کی پیش کش میں اعظم کریوی کی سادگی اور پرکاری کا جو نقش مرتب ہوتا ہے اس کی نشاندہی کے لئے بھی نقاد حضرات پریم چند کو وسیلہ گردانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں وہ پریم چند کے مقلدین میں سے تھے۔ لیکن افسانے کے حوالے سے ان کی اپنی ایک الگ پہچان ہے۔ وقار عظیم کے نزدیک:

''ڈاکٹر اعظم کریوی کے افسانوں کی جان ان کی زبان ہے۔ اردو کو اس وقت جس خدمت کی

ضرورت ہے وہ افسانہ نگاروں میں اعظم کریوی سے زیادہ کوئی اورانجام نہیں دیتا۔ پریم چند، سدرشن اور حسینی سب دیہات کی زندگی کے نقشے کھینچتے ہیں۔ ہندوستان والوں کی گفتگوئیں اور مکالمے دکھاتے ہیں لیکن زبان کسی کے یہاں اتنی فطری نہیں جتنی اعظم کریوی کے افسانوں میں ہے۔ وہ فارسی اور ہندی کے صرف ایسے الفاظ ایک جگہ استعمال کرتے ہیں جو اَنمل، بے جوڑ نہ معلوم ہوں۔ ہندی اور فارسی لفظوں کا انتخاب اوران کا استعمال اس قدر موزوں ہوتا ہے کہ کسی طرح اُنھیں ایک دوسرے سے الگ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لحاظ سے ان کے افسانے سارے افسانوں پر سبقت لے گئے ہیں۔''(۱۸)

اعظم کریوی کے افسانوں میں اس دور کی طرز معاشرت اور ثقافت کے رنگوں کو نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے افسانے اردو افسانے کی روایت میں ایک اہم سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے پریم چند کی روایت کو آگے بڑھا کر مستحکم کیا۔ اپنے تخلیقی جوہر سے افسانوں میں اپنے اردگرد کی زندگی کو بڑی خوبصورتی اور مہارت سے پیش کیا ہے۔ یہ افسانے ہندوستانی معاشرت کی خارجی و داخلی عناصر کے ساتھ ساتھ تاریخی اور تہذیبی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اعظم کریوی افسانوں میں انہوں نے ہندوستان کے رسم ورواج، تہواروں، اعتقادات اور موسموں کے رنگوں کو بیان کرتے ہیں۔ دیہات کے تعلق سے ان کے یہاں خصوصا یوپی کے دیہاتی علاقوں کی زندگی کو اپنے مکمل خدوخال کے ساتھ پیش کیا۔ جو دوسرے افسانہ نگاروں سے مختلف اور منفرد بھی ہیں۔ قمر رئیس لکھتے ہیں:

''اعظم کریوی، سہیل عظیم آبادی، اور علی عباس حسینی کی کہانیوں میں گاؤں اور شہر کی زندگی کے بعض ایسے اور گوشے بھی ملتے ہیں جو پریم چند کی کہانیوں میں نظر نہیں آتے۔''(۱۹)

اعظم کریوی نے اپنے افسانوں میں انسانی رشتوں میں موجود دکھ درد اور تکالیف سب ہی کو بیان کیا، انہوں نے دیہاتی زندگی کی جانفشانی، محبت، اثیار اور اس کے فطری حسن کو رومانوی رنگ میں پیش کیا اور ان کے افسانے ان خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے پلاٹ دیہاتی زندگی کے تانے بانے سے وجود میں آتے ہیں۔ گاؤں میں وہاں کے کچے مکانات، ان میں رہنے والے، زمیندار، لوہار، دھوبی، کمہار اور پنڈت سب کا ذکر ملتا ہے۔ دیہاتی زندگی کا روشن اور تاریک چہرہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے جو شہری زندگی میں ناپید دکھائی دیتا ہے۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے امیر وغریب سب فطری جذبات میں بندھے نظر آتے ہیں۔ اعظم کریوی کے افسانوں پر یہ ایک بے لاگ تبصرہ ملاحظہ کریں:

''ڈاکٹر اعظم کریوی نے عرصہ دراز تک دیہاتوں میں زندگی گزاری تاکہ وہاں کے رسم ورواج، دکھ سکھ ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات کا بغور مطالعہ کرسکیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ دیکھا اسے موثر کہانیوں کے پیرایہ میں پیش کردیا، یہی وجہ ہے ان کے افسانوں میں دیہات کا دل دھڑکتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی آبادی کے ترجمان ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا دیکھ بھال کر اور محسوس کرکے لکھا ہے۔''(۲۰)

اعظم کریوی کے افسانے اپنے موضوعات کے اعتبار سے ہندوستان کے معاشرتی اور سماجی مسائل کا احاطہ

کرتے ہیں۔اور وہ بڑی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں میں دیہاتی زندگی کی جھلک، جاگیردارنہ نظام، طبقاتی کشمکش کے ساتھ ساتھ شہری زندگی کے مسائل، فرد کی نفسیاتی عوامل، عورتوں کے مسائل جن میں کم عمری اور بے جوڑ شادیوں جیسے موضوعات کو پیش کیا۔ان کے افسانوں میں حقیقت پسندی کے ساتھ ساتھ رومانویت اور رومانویت کے پہلو میں تخیل کی آمیزش بھی نظر آتی ہے۔دیہات کی سادگی میں محبت اور فطرت نگاری کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ان کے دلوں کے دھڑکنوں کا احساس بھی سنائی دیتا ہے۔بلکہ بعض اوقات خود کلامی کے ذہنی تصویریں بھی ابھرتی ہیں۔ان کا اسلوب بیان، زبان کا آہنگ سادہ اور عام فہم ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں میں انسانی زندگی میں درپیش سماجی اور معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا۔ان کے افسانے اپنے عہد کی ثقافت اور تہذیب وتمدن کے آئینہ دار ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اعظم کریوی، بحوالہ: اردو افسانے کی روایت ۱۹۰۳ء۔۲۰۰۹ء، از: مرزا حامد بیگ، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۳۷۸

۲۔ سبینہ اویس اعوان، افسانہ شناسی، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء) ص ۱۰۳

۳۔ نقوش، افسانہ نمبر (انتخاب ۱۸۰۱ء سے ۱۹۵۵ء تک)، (لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۲ء) ص ۳۲۱

۴۔ طاہر طیب، لاہور میں اردو افسانے کی روایت، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء) ص ۱۰۰

۵۔ سبینہ اویس اعوان، افسانہ شناسی، ص ۱۰۴

۶۔ انور سدید، مختصر اردو افسانہ عہد بہ عہد، (لاہور: مقبول اکیڈمی، س۔ن) ص ۲۷

۷۔ وقار عظیم، ہمارے افسانے اور افسانہ نگار، (الٰہ آباد: اسرار کریمی پریس، ۱۹۳۵ء) ص ۱۳۶

۸۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنی، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء)، انتخاب/ترتیب: لیسین آفاقی، ص ۸۱

۹۔ انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء) ص ۱۲۲

۱۰۔ اعجاز راہی، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، (راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء) ص ۹۷

۱۱۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت ۱۹۰۳ء۔۲۰۰۹ء، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء) ص ۶۷

۱۲۔ فردوس انور قاضی، اردو فسانہ نگاری کے رجحانات، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۹ء) ص ۱۷۲

۱۳۔ انور سدید، اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، (لاہور: ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۵ء) ص ۳۸

۱۴۔ اعجاز راہی، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، ص ۲۲

۱۵۔ وقار عظیم، نیا افسانہ، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۔۲۰

۱۶۔ اعظم کریوی، پریم کی چوڑیاں اور دوسرے افسانے، (لکھنؤ: کتاب خانہ، ۱۹۴۲ء)، ص ۲۲۸

۱۷۔ ساغر نظامی، پیش لفظ، شیخ و برہمن، (اسلام آباد: سنگما پریس، ۲۰۰۹ء)

۱۸۔ وقار عظیم، ہمارے افسانہ نگار، (الٰہ آباد: اسرار کریمی پریس، ۱۹۳۵ء) ص ۱۳۸۔۱۳۹

۱۹۔ قمر رئیس، اردو میں بیسویں صدی کا افسانوی ادب، (دہلی: کاک آفسیٹ پرنٹرس، ۲۰۰۴ء) ص ۳۵

۲۰۔ اعظم کریوی، انقلاب، (لکھنؤ: کتاب خانہ ۱۹۴۴ء) ص ۱۷۳